تفسیر لغوی پر حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اسلوب و منہج کے اثرات

The Impacts of Hazrat Abdullah ibn Abbas's Exegetical Methodology and Style on Lexical Qur'anic Interpretation

Dr Hafiz Muhammad Ramzan
Assistant Professor, Instituteof Islamic Studies & Shariah, MY University, Islamabad
Email: Muhammad.ramzan@myu.edu.pk
Mahboob-UR-Rahman
Lecturer, Institute of Islamic Studies & Shariah, MY University, Islamabad
Email: mahboob.rahman@myu.edu.pk

Abstract
The Holy Qur'an is such a light, whose lamp will never dim, and it is an ocean whose shore will never be found, and for the eternal religion, Allah has given the eternal book. The Holy Quran's light will never lose their brightness, it is an unfathomable ocean. Allah has bestowed it an eternal book due to its eternal position among other religions. Literary interpretation of Holy Quran stands on the position as ancient knowledge of the Quranic sciences which started from revelation of Holy Prophet (peace be upon him). Its requirement originated with the revelation of the Qur'an. When the Companions of Prophet Muhammad (PBUH) faced difficulty in understanding of literal interpretation of Holy Quran they contacted to Holy Prophet for interpretation. The Prophet taught them the art of literal interpretation. The Prophet Muhammad advised them to have to understand the eloquent language of the Holy Qur'an, therefore you can understand the mysteries language of the Qur'an. Surely, Allah loves those who tried to understand the eloquent language of the Holy Qur'an. Keeping this importance in mind, the Companions of the Prophet and especially Hazrat Abdullah ibn Abbas emphasized on understanding the Arabic language to understand the literal interpretation and taught his students to adopt the same manner and style. To observe the important role of Hazrat Abdullah ibn Abbas in literal interpretation is the main reason for the selection of this topic. The present study will discuss the process of literal interpretation which the Prophet (ﷺ) taught to his Companions and to the Companions of the Tabieen, until this process became the book of Tafseer.
Keywords: Literal, interpretation, Quran, Abdullah Ibn-e-Abbas, Impacts

قرآن مجید نور کا ایک ایسا منبع ہے جس کی ضیاء پاش اور عالم تاب کرنوں کی تجلیاں کبھی ماند نہیں پڑیں گی۔ یہ علوم و معارف اور علم و حکمت کا ایسا بحر بے کراں ہے جس کی وسعتیں کبھی کم نہیں ہوں گی۔ اسلام چوں کہ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں اور جنات کے لیے دین ہدایت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی سر فرازی و کامیابی کے لیے دائمی تابندہ تر اور بہار آفریں کتاب عطا فرمائی ہے۔ اس لازوال کتاب کی تفہیم کے متعدد اور متنوع پہلو ہیں جنہیں "علوم القرآن" کی اصطلاح سے یاد کیا جاتا ہے۔ "تفسیر لغوی" بھی انہی علوم میں سے ایک اہم اور بنیادی علم ہے۔ اس علم کا آغاز حضور نبی کریم ﷺ پر نزول وحی کے ساتھ ہی ہو گیا تھا۔ قرآن کریم کے معلم اعظم اور اور اولین مفسر خود رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اگرچہ قرآن کریم اس عام فہم عربی لغت میں نازل ہوا جسے اس کے اوّلین مخاطب یعنی صحابہ کرام بخوبی سمجھتے تھے لیکن انہیں جب کبھی کسی لفظ کا مدعا سمجھنے میں دقت کا سامنا کرنا پڑتا تو وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرتے اور معلم کائنات ﷺ صحابہ کرام کی اس مشکل کو دور فرما دیتے۔ متعلقہ مقام کی پوری وضاحت فرماتے کہ صحابہ کرام اسے اچھی طرح سمجھتے لیتے۔ یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ کسی بھی کتاب کو سمجھنے کے لیے اس کتاب کی زبان کا کامل فہم اور اس پر مکمل عبور ضروری ہے۔ قرآن کریم کو سمجھنے کے لیے بھی فصیح عربی لغت کا فہم نہایت ضروری ہے۔

عربی زبان کی اس اہمیت کے پیش نظر صحابہ کرام بھی اس کے فہم پر زور دیتے تھے۔ قرآن کریم کی تفسیر لغوی کو سمجھنے کے لیے بالخصوص حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ نے لسان عرب کو سمجھنے پر خصوصی زور دیا ہے اور اپنے تلامذہ میں اس کی اہلیت پیدا کرنے کی طرف خصوصی توجہ دی ہے۔ تفسیر لغوی میں حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کے فہم قرآن کو اساسی اہمیت حاصل ہے۔ بعد میں آنے والے مفسرین نے قرآن کریم کے مشکل اور غریب الفاظ کی تفسیر میں آپؓ کے تفسیری ورثہ سے بطور خاص استفادہ کیا ہے اور آپ کے منہج و اسلوب کو خصوصی اہمیت دی ہے۔ تفسیر لغوی میں آپؓ کے اسلوب کے اثرات اس قدر گہرے اور پائیدار ہیں کہ کسی بھی دور کے مفسرین کے لیے ان سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں رہا۔ زیر نظر مقالہ میں بعد کے ادوار کے مفسرین پر آپؓ کے تفسیری اسلوب بالخصوص تفسیر کے لغوی مباحث میں آپ کے منہج کے دیرپا علمی اثرات کا مطالعہ پیش کیا جا رہا ہے جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ معلم قرآن سرور کون و مکان ﷺ کی نگاہِ کیمیا اثر سے فیض یاب ہونے والے اوّلین طبقہ کے مفسرین کے اس سرخیل کو اللہ کریم نے اپنی کتاب کا کس قدر فہم عطا فرمایا تھا۔

مفسر صحابہ کرام: صحابہ کرام میں سے جن دس صحابہ کرام کو مفسرین کا لقب حاصل ہوا ان کے اسماء گرامی یہ ہیں: حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان بن عفان، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عبد اللہ ابن مسعود،

حضرت عبد اللہ ابن عباس، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت حضرت ابو موسیٰ اشعری، اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔[1]

خلفاء اربعہ میں سے بھی جن کو زیادہ شہرت ملی وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ دوسرے خلفا سے قلتِ تفسیر کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت صحابہ کی کثیر تعداد موجود تھی جو تفسیر کو جانتی تھی لیکن جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو اس وقت اسلام کا دائرہ کار علاقائی اعتبار سے بہت وسیع ہو چکا تھا، جس کی وجہ سے ان سے استفسار کرنے والوں کی تعداد بڑھ گئی تھی، اسی وجہ سے تفاسیر کی کتب میں خلفاء اربعہ میں سے حضرت علیؓ کے تفسیری اقوال زیادہ ملتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس بحیثیت مفسر قرآن

حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کو قرآن کریم کی تفسیر میں خصوصی دسترس حاصل تھی۔ اس حوالے سے طبقہ صحابہ میں آپ کو خصوصی مقام حاصل تھا۔ آپ سے تفسیری اقوال اس کثرت کے ساتھ منقول ہیں کہ ان اقوال کو قرآن کریم کی با قاعدہ تفسیر کے طور پر "تفسیرِ ابن عباس" کے نام سے شائع کیا گیا ہے اور اپنے مقام و مرتبہ اور مفسرین کے طبقات کے اعتبار سے اسے قرآن کریم کی پہلی تفسیر ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اگرچہ تفسیر نگاری کے معروف عصری مفہوم کے مطابق آپؓ نے اس طرح با قاعدہ تفسیر نہیں لکھی تھی جیسے بعد کے ادوار میں اس کا رجحان عام ہوا لیکن آپ نے قرآن کریم کے فہم کے حوالے سے جو گراں قدر خدمات انجام دیں، تفسیر ابن عباس ان خدماتِ عالیہ کا ایک مظہر جمیل ہے۔ آپ کے فہم قرآن میں درک اور گہرائی کا ایک سبب اگرچہ اس حوالے سے آپ کی خصوصی رغبت بھی تھی مگر اس کا اصل سبب سرور کونین ﷺ کی وہ دعا تھی جو آپ نے حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کے حق میں فرمائی تھی۔ کتب احادیث میں اس امر کی تصریح ملتی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ وہ خوش نصیب صحابی ہیں جن کے لیے حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے تفقہ فی الدین کی دعا فرمائی۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اللَّهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ[2]

اے اللہ انہیں دین کا (گہرا) فہم عطا فرما۔ اسی دعا کی برکت سے آپ کو "ترجمان القرآن" کا لقب ملا۔[3]

تفسیری ادب پر حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے منہج و اسلوب کے اثرات

حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ عہد صحابہ کے وہ فرد فرید ہیں جن کے تفسیری افادات کو آنے والے دور میں با قاعدہ مرتب کیا گیا۔ آپؓ کے تفسیری نکات کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ بعد کے ادوار میں کسی بھی مفسر کے لیے آپ کے تفسیری نکات اور تفسیری آرا سے صرفِ نظر کرنا ممکن نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور کے تفسیری ادب پر آپ کے تفسیری نکات سے استفادہ کے مظاہر بکثرت دیکھنے کو ملتے ہیں۔ تفسیری ادب پر آپ سے

استفادہ کے رجحان کے کچھ قسم اسباب ہیں مثلاً آپ نے سرور کونین ﷺ سے براہ راست اور پھر کبار صحابہ کرام سے قرآن کریم کا فہم حاصل کیا تھا۔ عرب کے جس ماحول میں قرآن نازل ہوا تھا، آپ نہ صرف یہ کہ اس ماحول سے مکمل آگاہ تھے بلکہ آپ نے تو آنکھ ہی اسی ماحول میں کھولی اور یہیں پرورش پائی۔ عرب کی لغت کی معرفت آپ کو موروثی طور پر حاصل تھی۔ یوں ہی اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے احوال و اخبار کی بھی آپ کو دقت نظر سے معرفت حاصل تھی۔ تفسیر میں آپ کے علمی رسوخ کی فیض رسانی اس قدر وسعت آگئیں ہے کہ آپ سے استفادہ کرنے والے باقاعدہ ایک تفسیری مکتب کے طور پر اپنی الگ پہچان رکھتے ہیں۔ آپ کے تفسیری مکتبِ فکر کو "مدرسۃ المکۃ المکرمہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور آپ اس مکتب کے بانی قرار پاتے ہیں۔ اس مکتب کی تفسیری خدمات اور تفسیر میں اس مکتب کی علمی وجاہت کا اندازہ ابنِ تیمیہؒ کے اس قول سے لگایا جا سکتا ہے جس میں وہ کہ " تفسیر کو اہل مکہ اس لیے زیادہ جانتے ہیں کیوں کہ وہ حضرت عبداللہ ابن عباس کے تلامذہ ہیں جیسے: مجاہد، عطاء بن ابی رباح، عکرمہ (جو کہ ابن عباس کے غلام تھے)، سعید بن جبیر اور طاؤوس وغیرہ۔(4)

قرآن فہمی میں لسان العرب کی اہمیت وافادیت

کسی بھی زبان میں استعمال ہونے والے روز مرہ محاورات، تراکیب، جملے اور الفاظ کی تفہیم کا اوّلین انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ اہل زبان یعنی اس زبان کو بولنے والے ان محاورات اور تراکیب کو کن معانی کے اظہار کے لیے استعمال کرتے ہیں؟ اور وہ کس لفظ سے کب کون سا معنی اخذ کرتے ہیں؟ ایک ہی لفظ کو جب مختلف انداز میں برتا جائے گا تو اس کا معنی و مفہوم کس طرح تبدیل ہو جائے گا؟ یہ معاملہ تقریباً دنیا کی ہر زبان میں ہے۔ عربی چوں کہ نہایت فصیح و بلیغ زبان ہے اور اس میں کسی لفظ کے معنیٰ کی تعیین کے لیے نہایت ضروری ہے کہ یہ جانا جائے کہ اہل عرب اس لفظ کو کن کن معانی میں استعمال کرتے ہیں؟ گویا لفظ کا سیاق وسباق خود وضاحت کر رہا ہوتا ہے کہ اس سے کیا مراد لی جائے؟ مثلاً اردو میں جب کوئی یہ کہتا ہے کہ "میں نے مالٹا کھایا" تو اس کا مفہوم واضح ہے کہ ایک پھل تناول کرنے کی بات ہو رہی ہے لیکن جب ہم کہتے ہیں کہ "ہم نے مالٹا کی سیر کی۔ وہ ایک خوبصورت جگہ ہے۔" تو اس کا مفہوم بھی ہمارے نزدیک واضح ہے کہ ایک ملک کی بات ہو رہی ہے۔ اگر کسی دوسری زبان بولنے والے ایسے شخص کے سامنے یہی دو جملے بولے جائیں جو اردو میں ابھی نو آموز ہے اور اردو کی گہرائی اور سیاق سباق کی معرفت پر عبور نہیں رکھتا تو اگر اسے مالٹا کا ایک ہی معنی معلوم ہو گا تو وہ دونوں جملوں کے مابین فرق کو سمجھ نہیں سکے گا۔ یوں ہی عربی الفاظ کو سمجھنے کے حوالے سے بھی اہل لغت کو تو الفاظ کے اس طرح کے استعمال اور ان کے مفاہیم کو سمجھنے میں وقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا لیکن غیر عرب کے لیے زبان کی باریکیوں کو جانے بغیر مطلوبہ مفہوم تک رسائی آسان نہیں

ہوتی۔ چنانچہ اس امر کے پیش نظر حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ نے تفسیر قرآن میں لسان العرب کو اہمیت دی۔ آپ ہی وہ پہلے باقاعدہ مفسر ہیں جنہوں نے قرآن فہمی میں عرب لغت سے پہلی بار استفادہ فرمایا۔ تفسیر قرآن میں آپ کو اس پہلو کا موجد اور بانی قرار دیا جاتا ہے۔ آپ کی اس اجتہادی فکر کی اہمیت کو بعد ازاں ہر دور میں پیش نظر رکھا گیا حتی کہ عربی زبان کے فہم کے بغیر قرآن فہمی کو ناممکن قرار دے گیا گیا۔ کیونکہ قرآن کے الفاظ و عبارات عربی میں ہیں۔ نزول وحی کی زبان عربی ہے اور رسول کریم ﷺ بھی عربی تھے۔ اس کے باوجود کہ رسول اللہ ﷺ تمام کائنات کے لیے نبی بن کر تشریف لائے لیکن قرآن کا نزول عربی میں ہوا جس کی ایک بنیادی وجہ یہ تھی کہ اس قرآن کے پہلے مخاطب اہل عرب تھے اور اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی جس قوم کی طرف بھیجا اسی قوم کی زبان میں میں بھیجا جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ[5]

اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اپنی قوم کی زبان بولتا تھا تاکہ (احکام الٰہی) انہیں کھول کھول کر بیان کر دے۔

مفسرین کرام نے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ درحقیقت تمام انبیاء کرام کی طرف نزول وحی عربی زبان میں ہی ہوا کرتی تھی پھر وہ اپنی قوم کی طرف اس کا ترجمہ مخاطبین کو مد نظر رکھتے فرماتے تھے جیسا کہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے:

لم ينزل الوحى الا بالعربية ثم ترجم كل نبى لقومه۔[6]

ہر وحی عربی زبان میں ہی نازل کی گئی بعد ازاں ہر نبی نے اس کا اپنی قوم کے لیے (اس کی زبان میں) ترجمہ کیا۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن کریم کو سمجھنے کے لیے عربی زبان اور عرب لغت کی تصریحات کی تفہیم نہایت ضروری ہے۔ قرآن کریم کی لغوی تفسیر کا بنیادی دارومدار اسی امر پر ہے۔ چنانچہ اس موضوع پر مزید بحث سے پہلے ہم یہ دیکھ لیتے ہیں کہ اہم علم کے ہاں تفسیر لغوی کا معنیٰ و مفہوم کیا ہے۔

تفسیر لغوی کا معنیٰ و مفہوم

تفسیر لغوی کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن کریم کے معانی کو ان محاورات کے ذریعے بیان کیا جائے جو کہ لغت عرب میں وارد ہوئے ہیں۔ علمی اعتبار سے تفسیر لغوی اس تفسیر کو کہا جاتا ہے جس میں علم نحو یا علم بلاغت کے قواعد کی بنا پر قرآنی آیت کی تفسیر کی جائے اور ایسا کرتے وقت سیاق و سباق کے مطابق ایسے معانی قرآن کی طرف رجوع کیا جائے جسے اہل لغت یعنی عرب لوگوں نے استعمال کیا ہو۔[7] تو گویا تفسیر لغوی، قرآن کریم کی ایسی تفسیر کو کہتے ہیں جس میں قرآن کے الفاظ، تراکیب اور جملوں کے معانی کو لغوی اعتبار سے سمجھانے پر توجہ دی جاتی ہے۔ اس تفسیر میں زبان، گرامر، بلاغت اور الفاظ کے استعمال کے اسالیب پر غور کیا جاتا ہے تاکہ قرآن کے الفاظ کا درست اور

دقیق مفہوم واضح ہو سکے۔ تفسیر لغوی کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ کو ان کی اصلی زبان (عربی) کے قواعد، معانی اور استعمال کے مطابق سمجھا جائے۔ اس میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ ایک لفظ کا بنیادی مطلب کیا ہے؟ اس کا استعمال کن کن مواقع پر ہوا ہے، اور اس کے مختلف سیاق و سباق میں کیا معانی نکل سکتے ہیں؟ تفسیر لغوی میں زیادہ تر عربی لغت، علم النحو، علم الصرف اور بلاغت کے اصولوں کی روشنی میں قرآن کے متن کی تشریح کی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر اگر کسی آیت میں کوئی لفظ آیا ہے تو بتایا جائے کہ عربی زبان میں اس لفظ کا کیا اصل معنی ہے اور عرب معاشرتی و ثقافتی پس منظر میں اسے کیسے استعمال کیا جاتا تھا؟ تفسیر لغوی قرآن فہمی کے ایک اہم طریقے کی نمائندگی کرتی ہے، جو زبان، گرامر، اور لغت کے اعتبار سے قرآن کے متن کو سمجھنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس سے قرآن کے اصل پیغام تک رسائی میں مدد ملتی ہے اور یہ تفسیر کے دیگر اقسام (جیسے تفسیر بالماثور، تفسیر بالرائے) کے ساتھ مل کر قرآن کے جامع فہم کو فروغ دینے کا ذریعہ بنتی ہے۔

نزول قرآن کے وقت تفسیر لغوی کا رجحان

یہ بات بالکل واضح ہے کہ نزول وحی کے وقت بھی لوگ عربی لغت سے قرآن کے معانی کو سمجھنے میں مدد لیتے تھے۔ یہ امر بھی اس بات کی تائید کرتا ہے کہ صحابہ کرام ہر ہر لفظ کی تعبیر نبی کریم ﷺ سے نہیں پوچھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی طرف سے اقوال کی صورت میں قرآن کی تفسیر قلیل ملتی ہے۔ صحابہ کرام فہم قرآن کے معاملے میں جب کسی مشکل میں پڑ جاتے تو ہی حضور اکرم ﷺ کی طرف رجوع کرتے جیسا کہ مشہور روایت ہے، جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے:

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ [8]

جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے مخلوط نہیں کیا۔

اس آیت کا نزول ہوا تو صحابہ کرامؓ نے حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے عرض کیا یا رسول اللہؐ:

اينا لم يظلم نفسه ؟[9] ہم میں سے ایسا کون ہے جس نے اپنی جان پر ظلم نہیں کیا؟

تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس سے مراد وہ نہیں جیسا کہ تم گمان کر رہے ہو بلکہ اس سے مراد وہ ہے جیسا کہ حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے سے کہا تھا:

يَا بُنَيَّ لا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ[10]

اے بیٹا اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا، بے شک شرک تو بڑا (بھاری) ظلم ہے۔

فہم قرآن میں ایسے ہی کچھ مقامات ہوا کرتے تھے جہاں صحابہ کرام کو مشکل پیش آتی تھی۔ جب بھی ایسا ہوتا تھا تو معلم کائنات ﷺ کے یہ مخلص تلامذہ اپنے مربی و محسن آقا ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر اپنی اس

مشکل کا جواب حاصل کر لیا کرتے تھے۔ انہیں ہر بات ہی پوچھنے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ صحابہ کرام تو خود صاحب اللسان تھے تو عمومی طور پر قرآنی مدعا کو خود ہی سمجھ لیتے تھے۔

عہد نبوی میں لسان العرب سے استدلال

یہ بات تو روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ صحابہ کرامؓ، رسول اللہ ﷺ کے عہد ہمایوں میں بھی عربی لغت کے محاورات کے مطابق قرآن فہمی کا ذوق رکھتے تھے اور قرآن فہمی کے مراحل میں لسان العرب کی رعایت برتتے تھے۔ جب سرور کونین ﷺ کی موجودگی میں یہ امر معمول بہ تھا تو آپ ﷺ کے وصال مبارک کے بعد تو اس پر عمل پیرا ہونا بدرجہ اولیٰ روا تھا کیوں کہ اب تو ذات نبوی ﷺ بھی صحابہ کرام کے درمیان تشریف فرما نہیں تھی کہ صحابہ کرام آپ کی طرف رجوع کرتے چنانچہ صحابہ کرام آپ ﷺ کے وصال کے بعد بھی لغت عرب سے قرآن فہمی میں مدد لیتے تھے۔ صحابہ کرام میں دوسروں کی نسبت حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لغت عرب سے استفادے اور استدلال کا رجحان زیادہ تھا۔ جب خلفاء راشدین کے دور میں اسلامی ریاست کی حدود وسیع تر ہوتی گئیں اور فتوحات کے نتیجے میں جن غیر عرب لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد نے اسلام قبول کیا تو ان کا عربی فہم بہت کمزور تھا بلکہ اکثریت تو عربی زبان سے نا آشنا تھی چنانچہ ضرورت اس امر کی تھی کہ قرآن فہمی میں ایسے لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنے کی خاطر قرآن کریم کی تفسیر کرتے وقت معاصر عربی لغت کے محاوراتی ادب سے استدلال کیا جائے جو روایت و درایت اور تفسیر ماثور سے مطابقت بھی رکھتا ہو۔ یہ منہج "تفسیر لغوی" قرار پایا اور اس نے آنے والے ادوار میں نئے تفسیری مناہج کے لیے فکر و نظر کے کئی در وا کیے۔ خاص طور پر دوسری اور تیسری ہجری میں علمائے تفسیر نے اس کو اختیار کیا اور آگے بڑھایا۔(11)

قرآن فہمی میں عربی لغت سے استفادہ کی اہمیت

مفسر کے لیے عربی لغت کا جاننا اور اس پر عبور رکھنا نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ یہ قرآن کریم کی تفسیر کے لیے ضروری شرائط میں سے ایک ہے۔ معروف تابعی امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہا کہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اللہ اور آخرت پر یقین بھی رکھتا ہو اور باوجودیکہ وہ لغت عرب کا عالم بھی نہ ہو اور پھر بھی اللہ کی کتاب کے بارے میں کلام کرے۔(12)

لغت عرب پہ عدم عبور کے مفاسد

مفرادات، تراکیب، اعراب اور اشتقاق کے فہم میں اگر مفسر غلطی کا ارتکاب کرے گا تو وہ تحریف کا سبب بن جائے گا۔ چنانچہ ضروری ہے کہ وہ عربی زبان پر عبور رکھتا ہو۔ اسے عربی زبان کے مفردات، مرکبات اور

اشتقاقات کا اچھی طرح علم ہونا چاہیے۔ اگر کوئی مفسر عربی زبان میں اس قدر دسترس نہ رکھتا ہو تو اسے تفسیر جیسے عظیم بارِ گراں کے نیچے اپنا سر نہیں دینا چاہیے۔ بصورتِ دیگر وہ خود بھی گمراہ ہو گا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا اور ان سب کی گمراہی کا بارِ گراں اسی کے ناتواں کندھوں پہ ہو گا۔ ایک ایسا شخص جسے امراض اور ادویات کا علم نہ ہو، اگر وہ کسی میڈیکل سٹور میں گھس جائے اور ہر آنے والے کو اپنی مرضی کی ادویات دیتا جائے اور بیماریوں کا علاج شروع کر دے تو اس سے دوائی لینے والے مریضوں کی ہلاکت یقینی امر ہے۔ اس کے نتیجے میں دوائی دینے والا بھی تختہ دار سے بچ نہیں سکے گا۔ ایسے ہی تفسیر جیسا نازک اور نہایت اہم کام عربی زبان پر عبور کے بغیر انجام نہیں دیا جا سکتا۔ ایسا کرنے والا خود بھی برباد ہو گا اور اپنے قارئین کو بھی برباد کرنے کا باعث بنے گا۔

تفسیر لغوی کا آغاز

تفسیر لغوی کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی خود قرآن کریم کی تاریخ۔ قرآن کریم کے نزول کے ساتھ ہی اس کی تفسیر بھی شروع ہو چکی تھی۔ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کے سامنے قرآن کریم کے تشریح طلب مقامات کی تفسیر بیان فرمایا

کرتے تھے۔ قرآن کریم کے اوّلین شارح ہونے کے آپ کے منصب کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:

بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ[13]

(اور ان پیغمبروں کو) دلیلیں اور کتابیں دے کر (بھیجا تھا) اور ہم نے آپ پر بھی یہ کتاب نازل کی ہے تاکہ آپ (اس کی وہ تعلیمات) لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر دیں جو (بطور خاص) انہی کے لیے نازل کی گئی ہیں اور تاکہ وہ غور و فکر کریں۔

حضور نبی اکرم ﷺ جب تک صحابہ کرام کے درمیان حیاتِ ظاہری کے ساتھ موجود تھے تو قرآن فہمی میں کسی مشکل کی صورت میں صحابہ کرام آپ ﷺ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔ جوں جوں قرآن نازل ہو تا گیا، آپ ﷺ اس کے معانی و مفاہیم کی تعلیم بھی ارشاد فرماتے گئے۔ قرآن کریم کی تکمیل کے بعد آپ ﷺ کے وصالِ حق تک، اس کتاب مبین کا کوئی ایسا مقام باقی نہیں تھا جس کی صحابہ کرام کو سمجھ نہ آئی ہو اور معلم اعظم ﷺ نے اس کی تفسیر و تعبیر وضاحت کے ساتھ بیان نہ فرما دی ہو۔ بعد ازاں جب سرور کونین ﷺ حیاتِ ظاہری سے پردہ فرما گئے اور اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے اور اسلامی ریاست کی حدود دن بہ دن وسعت اختیار کرتی گئی اور لاکھوں لوگ مشرف بہ اسلام ہوتے گئے تو قرآن فہمی کے لیے آپ ﷺ کے ارشاداتِ گرامی اور آپ کے اوّلین تلامذہ (صحابہ کرام) کی طرف رجوع کیا جانے لگا۔ صحابہ کرام نے معلم کائنات ﷺ کے علوم و معارف کے بحر بے کنار

سے اپنے اپنے طبعی ذوق اور علم و تحقیق کی طلب کے مطابق فیض حاصل کیا تھا۔ صحابہ کرام کی ایک بڑی کثیر تعداد قرآن کریم کی تفسیر پر عبور رکھتی تھی۔ تاہم ان میں سے دس صحابہ کرام ایسے ہیں جنہیں بحیثیت مفسر قرآن جداگانہ شہرت ملی۔

دوسری صدی میں تفسیر لغوی

دوسری صدی ہجری میں تفسیر لغوی میں جن مفسرین کو خاص اہمیت حاصل ہے ان کے سرخیل یحی بن سلام تمیمی افریقی[14](م200ھ) ہیں۔ ابن حزمؒ کے بقول وہ ایک زمانہ تک افریقہ میں رہے اور بہت سارے لوگوں نے ان سے تفسیر قرآن کی سماعت کی۔ ان کے تفسیری اسلوب کی مثال متقدمین کے ہاں نہیں ملتی۔[15] ان کا منہج کا یہ تھا کہ وہ ماثورات سے استدلال کرتے اور انہیں ترجیح دیتے۔ جہاں لغوی اور نحوی مسائل کی تفہیم کی ضرورت ہوتی وہاں لغتِ عرب کے محاوراتی ادب سے استشہاد کرتے۔ ان کی تفسیر دو جلدوں پر مشتمل ہے، جو کہ تفسیر یحی بن سلام کے نام سے مشہور ہے، جس پر تقدیم و تحقیق دکتور ہند شبلی کی ہے اور اس کو نشر کرنے والا ادارہ، دار کتب علمیہ بیروت، لبنان ہے، جس کی طبع اولی 2004م، 1425ھ میں ہوئی اور یہ نسخہ مکتبہ شاملہ اور انٹرنیٹ کے ذریعے ڈاؤن لوڈ بھی کیا جاسکتا ہے۔[16]

بعض معروف لغوی تفاسیر

قرآن کریم کے وہ مقامات جن کی تفہیم و توضیح کے لیے علم بلاغت پر دسترس ضروری ہے، جب ان مقامات کی توضیح میں مشکل درپیش آنے لگی تو پھر لغوی تفسیر کے رجحان نے زور پکڑا لیکن اس کا اثر یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ تفاسیر پر لغت کا رنگ غالب آنے لگا۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کی تفاسیر عموماً "معانی القرآن" کے ناموں سے پہچانی جاتی ہیں۔ ان تفاسیر میں سے بعض کا اجمالی تعارف ذیلی سطور میں پیش کیا جاتا ہے:

1۔ معانی القرآن

معانی القرآن کے نام سے مختلف تفاسیر ہیں۔ معانی القرآن سے یہاں مراد امام الفراء النحوی[17] کی تصنیف ہے جو کہ علم النحو کے کوفی مکتب فکر کے امام تھے اور نحو اور ادب کے فہم میں جداگانہ مہارت رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کو امیر المؤمنین فی النحو کہا جاتا ہے۔[18] یہ قدیم لغوی تفاسیر میں سے ایک ہے۔[19] یہ لغوی تفسیر ہے جس میں عربی لغت کے تمام فنون کو جمع کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس میں نحو کا عنصر غالب نظر آتا ہے۔ امام موصوف نے آیات کی تفسیر میں لغت پر اعتماد کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ترکیب اور نحوی ضابطوں کے اعتبار سے ایک مربوط نظم کی حامل ہے۔ مزید برآں اس تصنیف کو اصطلاحات، قیاسیات اور تعلیلاتِ لُغویہ مزین کیا گیا ہے۔[20]

لغت عربی کے دقیق فنی مباحث کے باوجود مفسر نے قارئین کی سہولت اور آسانی کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تفسیر قارئین کے لیے دلچسپی کا باعث ہے۔ مزید بر آں امام فراء کا اسلوب یہ ہے کہ امام موصوف جب قرآن کریم کی مختلف قراءات کو اختیار کرتے ہیں یا کسی ایک قراءت کو دیگر قراءات پر ترجیح دیتے ہیں تو اس کی وجہ بھی بیان کرتے ہیں۔ امام صاحب اعراب کے مباحث پر بھی خصوصی توجہ دیتے ہیں۔ ایک لفظ کی مختلف لُغوی توجیہات پر جب بحث کرتے ہیں تو اس ضمن میں نصوص وماثورات سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ امام فراء اپنی کتاب میں کنایہ کو بھی زیرِ بحث لائے ہیں اور اس کی مثال اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ[21]

یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچ جائیں گے تو ان کے کان اور آنکھیں اور کھالیں (چمڑی، جلد) ان کے خلاف ان کے اعمال کی شہادت دیں گی۔

امام فراء نے کہا ہے کہ جلود کا لفظ یہاں پر خروج سے کنایہ ہے۔[22] ابن قتیبہ، مکی بن ابی طالب اور راغب اصفہانی رحمہم اللہ علیہم نے بھی جلود کے لفظ سے "خروج" کنایہ مراد لیا ہے۔ نحوی مفسرین کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے قرآن کریم کی تفسیر کرتے وقت قرآن کریم سے نحو کے اصول و قواعد کا استنباط بھی کیا ہے اور اپنی تفاسیر میں ان اصولوں پر بحث بھی کی ہے اور قرآنی آیات سے ان اصولوں پر استشہاد و استدلال بھی کیا ہے جیسا کہ امام فراء نے قرآن کریم کی تفسیر کے دوران کلام الٰہی سے یہ قاعدہ اخذ کیا ہے کہ جب کسی جملے میں فعل امر آرہا ہو گا اور اس کے جواب میں فعل مضارع آرہا ہو گا تو فعل مضارع مجزوم ہو گا جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ[23] آپ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیں تاکہ ہم خدا کی راہ میں جہاد کریں۔

معانی القرآن

معانی القرآن کے نام سے ایک دوسری تفسیر امام اخفش کی ہے۔ ان کی تفسیر کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے مختلف علوم کو اپنی تفسیر میں ایک خاص محققانہ انداز میں سمو دیا ہے۔ وہ علوم جن کو امام اخفش نے "معانی القرآن" کی زینت بنایا ہے وہ حسبِ ذیل ہیں:

ا۔ الاصوات اللُغویہ

امام اخفش نے متعدد آیات کے ذیل میں مخارج کے مقامات اور قرب وبعد کے حوالہ سے ان کی صفات کو بیان کیا ہے۔ نیز اطباق وانفتاح پر بھی بحث کی ہے۔ وہ اصوات جو ان کو شامل ہیں وہ یہ ہیں: تا، ثا، دال، ذال، صاد، طاء، لام۔ امام موصوف اس قبیل کے دیگر متنوع نکات کو بھی زیرِ بحث لائے ہیں۔

۲۔ کلام العرب

تفسیر میں کلام العرب کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ اس کی حیثیت اساسی اور بنیادی علوم کی ہے۔ قرآن کریم چوں کہ عربی زبان میں نازل ہوا تو اس کے مختلف پہلوؤں جیسے صرف و نحو، علم بلاغت اور علم المعانی وغیرہ کی پہچان اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کلام العرب کی طرف رجوع نہ کیا جائے اور امام اخفش نے کلام عرب کے خصائص اور اس کے طریق کار کو تالیف اور تعبیر کے نقطہ نظر سے بیان کیا ہے۔[24]

۳۔ لغات العرب

امام اخفش نے اپنی تالیف "معانی القرآن" میں لغات العرب کی وہ خصوصیات کثرت کے ساتھ بیان کی ہیں جو کہ قراءات کے تنوع کا باعث بنیں۔[25] ان کی تفسیر میں منطق اور فلسفہ کے اثرات نہیں ملتے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان پر منہج ابن عباسؓ کے اثرات تھے۔ "معانی القرآن" کے مطالعہ کے دوران اس کے متعدد شواہد نظر نواز ہوتے ہیں جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ [26]

ان کی تجارت ہی نے کچھ نفع نہ دیا۔

اس آیت کے اسلوب بیان سے عربوں کا حسب ذیل قول مطابقت رکھتا ہے:

"خاب سعیک" انما ھوالذی خاب[27]

یعنی وہ ذلیل ہوا۔

منہج لغوی کے موجد

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اس وہ پہلے مفسر ہیں جنہوں نے تفسیر میں اس منہج کا آغاز کیا۔ آپ اس منہج کے موجد کہلاتے ہیں۔ آپ کے بعد آپ کے تلامذہ نے اس منہج کو آگے بڑھایا۔ دوسری صدی ہجری میں ہمیں اس منہج کے ثمرات مختلف تفاسیر کی شکل میں دکھائی دیتے ہیں جیسا کہ معانی القرآن للفراء، ومعانی القرآن للاخفش ومجاز القرآن لابی عبیدۃ وغیرہ۔[28]

حضرت عبداللہ ابن عباس لغتِ عربی میں قوی تھے۔ وہ عربی زبان کے مختلف لہجوں اور مختلف اسالیب پر مہارت رکھتے تھے۔ آپؓ کو ان تمام حالات اور واقعات سے آگاہی تھی جن میں قرآن نازل ہوا اور جو واقعات کسی آیت یا سورت کا شانِ نزول قرار پائے۔ چنانچہ وہ اس میدان میں اجتہادی صلاحیتوں کے حامل تھے۔ یہ نگاہِ نبوی کے فیضان کی دل نواز کرنیں ہیں کہ جن صحابہ کرام کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا کچھ ہی وقت میسر آیا وہ بھی اپنی

صلاحیتوں اور ذوق و جستجو کے میدان میں ماہ تمام بن کر چمکے۔ حضرت ابن عباسؓ کا شمار بھی ان صحابہ کرام میں ہوتا ہے جنہیں عالمِ شباب اور پختہ عمر میں سرور کائنات ﷺ کی صحبت میسر نہیں آسکی۔ آپ کو بچپن اور لڑکپن میں بارگاہ رسالت ﷺ سے مستفید ہونے کا شرف نصیب ہوا۔ آپ عالم شباب کی دہلیز پر ہی تھے کہ محسنِ انسانیت ﷺ وصال فرما گئے۔ جس وقت حضور اکرم ﷺ کا وصال ہوا، اس وقت حضرت ابن عباس کی عمر تقریباً تیرہ سال یا اس کے قریب تھی۔ لیکن اس کے باجود حضرت ابن عباسؓ تفسیر کے میدان میں صحابہ کرام میں امتیازی شان کے حامل تھے اور یہ رسول اللہ ﷺ کی اس دعا کی برکت تھی جو آپ ﷺ نے حضرت ابن عباسؓ کے لیے فرمائی تھی۔ انہوں نے زیادہ وقت کبار صحابہ کے ساتھ گزارا، ان سے علم حاصل کیا اور ان سے روایت کیا۔ ڈاکٹر محمد حسین ذہبی کہتے ہیں کہ اگر صحابہ کرام میں کثرت روایات کا اعتبار کیا جائے تو پہلے حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ، پھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، پھر حضرت علیؓ اور پھر حضرت ابی بن کعبؓ ہیں۔[29]

تفسیر قرآن میں حضرت ابن عباسؓ کی مہارت ہی کی وجہ سے ان کے تفسیری اسلوب و منہج پر تفسیر کا ایک مکتب فکر معرضِ وجود میں آیا جو تاریخ میں "مدرسۃ التفسیر بمکۃ" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ مکہ مکرمہ میں تفسیر کے اس مدرسہ کے بانی حضرت عبداللہ ابن عباسؓ ہی تھے۔ آپ اپنے تلامذہ کے سامنے کتاب اللہ کی تفسیر بیان فرماتے اور ان مشکل مقامات کی توضیح فرماتے تھے جو ان کے فہم سے بالاتر ہوتے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کے تلامذہ آپ کی بیان کردہ توضیح کو محفوظ کر لیتے تھے بعد ازاں اسے آگے اپنے شاگردوں میں بیان کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس کے مشہور تلامذہ

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے تفسیری فیضان کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ جید تابعین کی ایک بڑی جماعت کو آپ سے تلمذ کا شرف حاصل ہے۔ جن میں سے چند معروف ترین اسماء گرامی حسبِ ذیل ہیں:

سعید بن جبیر، مجاہد، عکرمہ مولی ابن عباس، طاؤس بن کیسان الیمانی اور عطاء بن ابی رباح۔ ان تلامذہ میں سے کسی سے زیادہ تفسیری روایات مروی ہیں اور کسی سے کم۔ ان کی ثقاہت کے بارے میں بایں اعتبار علماء میں اختلاف ہے کہ کون زیادہ ثقہ ہے اور کون کم تاہم ہیں تمام ثقہ۔

بحیثیت مفسر قرآن حضرت عبداللہ ابن عباس کا مقام و مرتبہ

حضرت عبداللہ ابن عباس کو تفسیر میں خاص ملکہ حاصل تھا۔ آپ مکتب نبوت کے فیض یافتہ تھے۔ آپ کو قرابت نبوی ﷺ کا شرف بھی حاصل تھا اور آپ کا شمار ممتاز اہل علم و فضل نوجوان صحابہ میں ہوتا تھا۔ آپ کی تفسیری صلاحیتوں کی تحسین صرف آپ کے شاگردوں نے ہی نہیں کی بلکہ کبار صحابہ کرام بھی آپ کی ان تفسیری

صلاحیتوں کے معترف تھے۔ جن میں حضرت علیؓ بھی شامل ہیں۔ آپ کے ایک تلمیذِ رشید حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب وہ کسی چیز کی تفسیر کرتے تو میں ان پر نور دیکھتا تھا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا قول ہے کہ ابن عباسؓ، رسول اللہ ﷺ کی امت میں سب سے زیادہ نزول وحی کے بارے میں جاننے والے تھے۔ بعض صحابہ اور کثیر تابعین مشکل معانی کی تفہیم کے لیے حضرت عبد اللہ ابن عباس کی طرف رجوع کرتے تھے تاکہ وہ ان کے شکوک وشبہات دور کریں اور قرآن کریم کے مشکل مقامات کا فہم ان پر آسان ہو جائے۔ ان مشکلات میں سے ایک مشکل یہ تھی کہ "حضرت موسی علیہ الصلاۃ والسلام، حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس کتنا عرصہ ٹھہرے؟ آیا دس سال یا اس سے تھوڑا عرصہ؟ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ میں جن دنوں حج پر جانے کی تیاری کر رہا تھا تو کوفہ کے باسی ایک یہودی نے مجھ سے کہا کہ آپ ہر وقت علمی سرگرمیوں میں مصروف رہتے ہیں تو آپ مجھے یہ بتائیں کہ حضرت موسی علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس کتنا عرصہ سکونت فرمائی؟ تو آپ نے کہا میں نہیں جانتا اور ہاں میں اس حوالے سے پوچھنے کے لیے عرب کے حبر (ابن عباسؓ) کے پاس جا رہا ہوں تو ان سے اس بارے میں پوچھوں گا۔ جب سعید بن جبیر مکہ پہنچے تو اس سارے قصہ کا تذکرہ حضرت ابن عباسؓ سے کیا جو یہودی نے پوچھا تھا تو حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ ان دونوں مدتوں سے اکمل اوراطیب مدت گزاری تو سعید بن جبیر فرمان نبوی ﷺ ذکرتے ہیں "جب وعدہ کرو تو پورا کرو"[30] کے تحت جب وہ واپس عراق پہنچے اور یہودی کو اس کے بارے میں خبر دی تو اس نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا اس کے بارے میں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا گیا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔[31]

فہم قرآنی میں صحابہ کرام کا حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے رجوع

قرآن کریم کے فہم میں حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ممتاز حیثیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرام قرآن کریم کے مشکل مقامات کی تفہیم کے لیے آپؓ سے رجوع کیا کرتے تھے۔ عام صحابہ کرام ہی نہیں بلکہ جید صحابہ کرام کا بھی یہ معمول تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے منقول ہے کہ آپؓ کو جب صحابہؓ سے کسی آیت کے معنی و مفہوم کی تعیین نہ ملتی تو آپ حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے اس بابت استفسار فرماتے۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے صحابہ کرام سے اس آیت: أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِنْ نَخِيلٍ وَأَعْنَابٍ[32] کی توضیح و تعبیر پوچھی تو اس وقت حسن اتفاق سے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اس مجلس میں موجود تھے اور حضرت عمرؓ کے پیچھے کھڑے تھے۔ جب کسی کی طرف سے تسلی بخش جواب نہ ملا تو حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ

نے کہا کہ اے امیر المؤمنین یہ ایک ایسے دولت مند شخص کی مثال ہے جو نیک عمل کرتا ہے لیکن پھر شیطان کے ہاتھوں گمراہ ہو جاتا ہے اور اپنی تمام نیکیاں ضائع کر دیتا ہے۔[33]

> کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنی عمر میں اچھے اور نیک بختوں والے عمل کرے اور اس کی زیادہ ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب اس کی موت کا وقت قریب ہو تا کہ اس کا خاتمہ بالخیر ہو لیکن اگر اس کا خاتمہ بد بختوں والے اعمال کے ساتھ ہوا تو اس بد بخت خاتمہ نے ان تمام نیکیوں کو جلا دیا جن کی بہت زیادہ ضرورت تھی۔[34]

تفسیر کے باب میں حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کے قول کی اہمیت

اللہ تعالیٰ نے حضرت عبد اللہ ابن عباس کو تفسیر میں جو ملکہ عطا فرمایا تھا، نگاہ نبوت کا وہ علمی فیضان آپؓ ہی کا حصہ تھا۔ آپؓ تفسیر القرآن کے باب میں ایسے باریک بین اور نکتہ آفریں شخصیت تھے کہ آپ کے تفسیری اقوال کو دیگر کے اقوال پر بیشتر ترجیح دی جاتی ہے۔ مفسرین کے ہاں یہ ایک علمی روایت ہے کہ جب حضرت عبد اللہ بن عباس کا قول مل جائے تو امکان غالب یہ ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کے اقوال کے مقابلہ میں زیادہ درست ہوگا۔ اس کی صراحت امام زرکشیؒ نے بھی کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب صحابہ کے تفسیری اقوال میں تعارض واقع ہو جائے تو اس وقت دیگر اقوال پر حضرت عبد اللہ ابن عباس کے قول کو ترجیح دی جائے گی۔[35]

لغوی تفسیری مباحث کی تفہیم میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا اشعار سے استشہاد

قرآن کریم فصیح عربی زبان میں نازل ہوا۔ عربی کا دامن اس قدر وسیع ہے کہ ایک ہی مفہوم کی ادائیگی کے لیے درجنوں الفاظ مستعمل ہیں۔ تاہم اس لفظ کے استعمال کی کیفیت و نوعیت اور درست محل و مقام کو سمجھنے میں بسا اوقات اہل عرب کو بھی اپنے ادبی ذخیرے کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ صحابہ کرام کی عربی فہمی میں کوئی کلام نہیں کہ عربی ان کی مادری زبان تھی لیکن اس کے باوجود بھی قرآن کریم کے بعض الفاظ کی تفہیم کے لیے انہیں بھی عربی ادب کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ قرآن کے بعض الفاظ کی تعبیر و توضیح اور تفسیر و تشریح میں صحابہ کرام کو جب اشتباہ ہوتا تو وہ عربی ادب بالخصوص عربی شاعری کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اس باب میں حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کا طرزِ عمل مفسرین کے لیے مشعل راہ ہے۔ آپؓ ایسے مقامات کی تفہیم کے لیے زمانہ جاہلیت کی شاعری کی طرف رجوع فرمایا کرتے تھے۔ یہ آپ کا یہ صرف چند صحابہ کرام کا ہی معمول نہیں تھا بلکہ حضرت عمرؓ جیسے جید صحابی اور امیر المؤمنین کا بھی یہی طریق تھا کہ آپ صحابہ غریب القرآن کو سمجھنے میں اشعار سے مدد لیتے تھے۔ ایک بار حضرت عمرؓ نے یہ آیت پڑھی: أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَى تَخَوُّفٍ[36] اور کہا: "اے لوگو! تم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے

بارے میں کیا کہتے ہو؟" سب لوگ خاموش ہو گئے تو قبیلہ ہذیل کا ایک شخص کھڑا ہو اور کہنے لگا کہ یہ تو ہماری لغت ہے: التخوف معناہ التنقص" تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا آپ کو وہ عربی اشعار آتے ہیں جو اس بارے میں ہیں تو وہ کہنے لگا کہ جی ہاں! اور اس نے حسب ذیل شعر بطور حوالہ سنایا:(37)

تخوف السير منها تامكا قردا

كما تخوف عود النبعة السفن

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ تم پر لازم ہے کہ اس بات کا دھیان رکھو کہ کہیں تمہارے دیوان تمہیں گمراہ نہ کر دیں۔ مخاطبین نے کہا کہ ہمارے دیوان کیا ہیں؟ تو آپ نے کہا جاہلیت کے اشعار کیونکہ اس میں تمہاری کتاب کی تفسیر ہے اور تمہارے کلام کے معانی ہیں۔(38)

حضرت ابو بکر انباریؒ سے روایت ہے کہ اشعار دیوان العرب ہیں اور جب ہم پر قرآن کے حروف میں سے کسی حرف کی معرفت مشکل ہو جاتی جس کو اللہ تعالیٰ نے لغت عرب میں نازل فرمایا ہو تو ہم ان حروف کے معانی تلاش کرنے کے لیے عرب کے دیوان کی طرف رجوع کرتے۔ نیز ابو بکر انباری سے یہ بھی مروی ہے کہ جب مجھ سے غریب القرآن کے حوالہ سے پوچھا جاتا تو میں اس کو اشعار میں تلاش کرتا ہوں کیونکہ اشعار عرب کے دیوان ہیں۔(39)

تفسیر لغوی پر حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے منہجی اثرات

ہر صحابی ہدایت کا روشن ستارہ ہے۔ تابعین کے پاک طینت ہستیوں کے ذریعے دین کا جو ذخیرہ ہم تک پہنچا ہے وہ انہوں نے بارگاہ نبوت کے فیض یافتہ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے ہی حاصل کیا تھا۔ چنانچہ جب کسی معاملے میں کسی صحابی کی رائے اور قول موجود ہو تو اسے ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ تفسیر قرآن میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو جو مقام و مرتبہ حاصل ہے، بعد کے تفسیری ادب پر اس کے گہرے اثرات ہیں۔ بالخصوص لغوی مباحث میں مفسرین نے آپ کے اسلوب و منہج سے بہت استفادہ کیا ہے۔ ذیل میں اس کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

پہلی مثال

قرآن کریم فرقان حمید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

بَلْ لِلَّهِ الْأَمْرُ جَمِيعاً أَفَلَمْ يَيْأَسِ الَّذِينَ آمَنُوا(40)

" ييأس "کا لفظ مفسرین کے مطابق "یعلم" کے معنی میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کی طرف وحی کی ہے کہ اگر وہ چاہتا تو تمام لوگوں کو ہدایت دیتا۔ پس فرمایا: کیا تم علم کے اعتبار سے مایوس نہیں (یعنی کیا تم جانتے نہیں)؟ اہل لغت کے مطابق "يؤيسهم العلم" کی ترکیب اس اس وقت استعمال ہوتی ہے جب ان میں علم پوشیدہ ہو۔ جیسا کہ آپ کلام کے دوران کہتے ہیں: میں آپ کی طرف سے اس بات سے مایوس ہو گیا کہ آپ علم نہیں حاصل کر سکے۔ گویا کہ آپ نے کہا

کہ میں نے اسے علم سکھایا۔ امام کلبی نے ابو صالح کے واسطہ سے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قومِ نخع کی لغت کے مطابق "ییأس"، "یعلم" کے معنی میں ہے۔ امام فراء نے کہا ہے کہ ہم نے اسے عربی میں اسی معنی کے مطابق پایا ہے جو میں نے بیان کیا ہے اور اس پر شاعر کا یہ قول بھی دلیل ہے:

حَتَّى	إِذَا يَئِسَ	الرماة	وَأَرْسَلُوا
غُضْفًا	دواجِنَ	قافِلًا	أعصامها

یہاں تک کہ جب وہ ہر ممکن چیز سے مایوس ہو گئے سوائے اس کے جو ان پر ظاہر ہوئی تو انہوں نے چھوڑ دیے (پرندے)۔

(شاعر کا یہ قول) اس معنی میں ہے کہ جب انہوں نے جان لیا کہ جو صورت ان کے سامنے ظاہر ہوئی اس کے علاوہ کوئی صورت باقی نہیں تو انہوں نے (پرندے) چھوڑ دیے۔ اور اس کے علاوہ مایوسی ہی تھی۔[41]

خلاصہ کلام

اس مثال کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بیان کردہ معنی ہی کو مفسرین نے لیا ہے اور عربوں کے ہاں بھی یہی معنی رائج تھا۔

دوسری مثال

کلام عرب میں کلمہ استواء کے استعمال کی تین صورتیں ہیں:

۱۔ بغیر کسی صلہ کے۔ ۲۔ "عن" کے صلہ کے ساتھ۔ ۳۔ "علیٰ" یا "الیٰ" کے صلہ کے ساتھ۔

ان تین میں سے ایک صورت تو اس آیت کریمہ میں موجود ہے:

ثُمَّ اسْتَوَى إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ[42]

اب ہم بالترتیب تینوں صورتوں کی عملی کیفیت دیکھتے ہیں۔ پہلی صورت، جب کلمہ استواء بغیر صلہ کے استعمال ہوتا ہے جیسے یستوِیَ الرجلُ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب آدمی کی جوانی اپنی انتہا کو پہنچ جائے۔ دوسری صورت، جب استواء کا کلمہ عن کے صلہ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے جیسے یستوی عن اعوِجاج ہے۔ تیسری صورت، جب علیٰ اور الیٰ کے صلہ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے تو اس کی ایک صورت تو وہ ہے جو سطور بالا میں درج آیت کریمہ میں ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ کہیں کہ وہ فلاں کی طرف متوجہ تھا پھر میری طرف متوجہ ہوا (خواہ الیٰ کے ساتھ ہو یا علیٰ کے ساتھ) جیسا کہ کلمہ "أقْبَلَ"، "إلىٰ" اور "علىٰ" دونوں صلوں کے ساتھ آتا ہے اور دونوں صورتوں میں اس کا معنی برابر ہے۔ چنانچہ اللہ کے متذکرہ بالا فرمان میں استوی إلی السماء کا یہی معنی ہے (یعنی اللہ کریم آسمان کی

طرف متوجہ ہوا)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: استوی بمعنی صعد ہے۔ اور یہ اس قول کی طرح ہے جب کسی کے بارے میں کہا جائے: وهذا كقولك للرجل: كان قائما فاستوى قاعدا، وكان قاعدا فاستوى قائما وہ کھڑا تھا پس وہ سیدھا بیٹھ گیا، اور وہ بیٹھا تھا پس وہ سیدھا کھڑا ہو گیا اور یہ دونوں صورتیں کلام عرب میں جائز ہیں۔(43)

خلاصہ کلام

استواء کے استعمال سے متعلق اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ امام فراء نے استواء کے ممکنہ معانی کو بیان کرتے ہوئے آخر میں حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کے بیان کردہ معنی کی طرف ہی رجوع کیا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام فراء کے نزدیک وہی معنی راجح ہے جس کو حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے اختیار کیا ہے۔

تیسری مثال

قرآن کریم میں فرمان باری تعالیٰ ہے: وَامْسَحُواْ بِرُؤُوسِكُمْ وَ أَرْجُلَكُمْ(44)

قرآن کریم فرقان حمید کی اس آیت میں وارجلکم کے لفظ کی ترکیب نحوی میں اختلاف ہے جس کی بناپر اس کی تفسیر میں بھی دو آراہیں۔ اس کی قراءت سے متعلق ایک موقف یہ ہے کہ اس کا عطف آیت کریمہ کے پہلے حصے میں موجود لفظ وجوھکم پر ہے چنانچہ یہ منصوب پڑھا جائے گا اور پاؤں کو بھی دھویا جائے گا جبکہ اس میں دوسرا موقف یہ ہے کہ اس کا عطف رؤوسکم پر ہے اور پاؤں پر بھی مسح کیا جائے گا۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کا موقف دوسرا ہے۔ آپ کا فرمان ہے:

پاؤں پر مسح کرنا جائز ہے۔ اور بطور اتباع "جر" دینا بھی جائز ہے۔ اور وہ غسل کے معنی میں ہو گا۔ جیسا کہ اس قول" هذا جُحْرُ ضَبٍّ خَرِبٍ "میں ہے۔ اور اس اضطرار کی نسبت "نصب"(دینا) ہی زیادہ بہتر ہے۔ اور اسی کی مثل عربوں کا قول" أَكَلْتُ خبزا ولبنا" ہے۔ حالانکہ "لبن"یعنی دودھ، کھایا نہیں جاتا۔ اور (اسی طرح) وہ کہتے ہیں: ماسَمِعْتُ برائحةٍ اطيبَ من هذهِ ولا رأيتُ رائحةً أطيبَ من هذِه" و"ما رأيتُ كلاماً أصوبَ من هذا، میں نے اس سے زیادہ اچھی خوشبو نہیں سنی اور میں نے اس سے زیادہ اچھی خوشبو نہیں دیکھی اور میں نے اس سے زیادہ درست کلام نہیں دیکھا۔ (حالانکہ خوشبو نہ تو سنی جاتی ہے اور نہ ہی دیکھی جاتی ہے۔ یوں ہی کلام کو بھی دیکھا نہیں جاتا)۔(45)

خلاصہ کلام

یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس نے مذکورہ آیت کے مفہوم کو واضح کرنے کے لیے لغت کی اہمیت کو مدنظر رکھا ہے۔ آپؓ کلام عرب کے محاورات سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ کلام عرب کی روشنی میں یہ یہ ممکنہ

معانی مراد لیے جاسکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ بعد میں آنے والے مفسرین نے محض حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کے بیان کردہ لغوی تفسیر کو ہی ذکر نہیں کیا بلکہ ان کے موقف کو درست بھی تسلیم کیا ہے

چوتھی مثال

عدت گزارنے والی عورتوں سے دوران عدت نکاح کی بات چیت یا پیغام کی ممانعت سے متعلق اللہ کا فرمان گرامی ہے:
وَلٰكِنْ لاتُواعِدُوهُنَّ سِرًّا(46)

محمد بن جہم نے امام فراء سے انہوں نے حبان سے اور انہوں نے کلبی اور صالح کے واسطے سے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: اس مقام میں "سر" سے مراد "نکاح" ہے۔ اور انہوں سے امرؤ القیس کا یہ شعر پڑھا۔(47)

أَلا زَعَمَتْ بَسْبَاسَةُ الْيَوْمَ أَنَّنِي
كَبِرْتُ وَأَلا يَشْهَدَ السِّرَّ أَمْثَالِي

خلاصہ کلام

اس چوتھی مثال کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ مثال میں لفظ "سراً" کے معنی کو متعین کرنے کے لیے مفسرین نے حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کے قول کو ترجیح دی ہے اور حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ نے اس معنی کی تعیین کے لیے کلامِ عرب سے استدلال کرتے ہوئے بطور استشہاد امرؤالقیس کا شعر پیش کیا ہے۔

پانچویں مثال

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:
وَكُنْتُمْ قَوْماً بُوراً (48)

مفسرین کرام کے ہاں اس آیت میں مذکور لفظ بورا کے معنی کی تعیین میں بھی ایک سے زائد آرا موجود ہیں چنانچہ جمہور مفسرین نے اس لفظ کے اس معنی کو اختیار کیا ہے جسے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ تعالیٰ نے ترجیح دی ہے۔

فراء نے حبان سے اور انہوں کلبی اور ابو صالح کے واسطہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ فرمایا: الْبُورُ، قوم "ازدعمان" کی لغت میں "فاسد" (شے کو کہا جاتا) ہے اور وَكُنْتُمْ قَوْماً بُوراً کا معنیٰ "فاسد قوم" ہے۔ کلام عرب میں الْبُور کا معنی لاشَيْءَ ہے۔ کہا جاتا ہے: أَصْبَحَتْ أَعْمَالُهُمْ بُورًا، وَمَسَاكِنُهُمْ قُبُورًا یعنی ان کے اعمال اکارت یعنی فاسد ہوگئے اور قبریں ان کی آرام گاہیں بن گئیں۔(49)

خلاصہ کلام

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ امام فراء نے لفظ بورا کا معنی واضح کرنے کے لیے حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کے قول کو حجت قرار دیا ہے۔ مذکورہ بالا تمام مثالوں سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ قرآن کریم کے لغوی مباحث کے معانی کی تعیین میں مفسرین پرت حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کے تفسیری فہم کے اثرات بہت گہرے ہیں۔

نتائج بحث

اس تحقیقی مطالعہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ قرآن کریم کی لغوی تفسیر کا منہج و اسلوب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آقا کریم علیہ الصلوۃ والسلام سے حاصل کیا۔ نبی کریم ﷺ کا قرآن کریم کے لغوی مباحث کی تشریح و توضیح میں لغت عرب پر اعتماد سے صحابہ کرام کو رہنمائی ملی کہ قرآن کریم کے غریب الفاظ کے معانی کی تعیین کے لیے عرب لغت کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے قرآن فہمی میں لغت عرب سے استفادہ کیا جیسا کہ گذشتہ اوراق میں مفصل بحث کی گئی ہے۔ صحابہ کرام اس امر کا بخوبی ادراک تھا کہ لغتِ عرب کا قرآنی فہمی میں اہم کردار ہے اور اس کے بغیر قرآن کا فہم محال ہے چنانچہ اس پہلو سے مفسر قرآن حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کا کردار بہت نمایاں ہے۔ آپ نے لغتِ عرب، زمانہ جاہلیت کی عربی شاعری اور عربوں کے کلام سے استدلال و استشہاد کے منہج کو قرآن فہمی میں خاص اہمیت دی اور بعد کے مفسرین نے آپ کے اس منہج کی پیروی کی۔ اس منہج کی اتباع میں بعد ازاں لغوی تفاسیر لکھی گئیں جنہوں نے عجمی مسلمانوں کے لیے قرآن فہمی مرحلہ آسان کر دیا۔ تفسیری ادب میں حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لغوی تفسیری اقوال بہ کثرت ملتے ہیں۔ مفسرین کرام نے آپؓ کے اقوال سے اپنی تفاسیر کو مزین کیا ہے۔ مقالہ ہذا کے آخری حصہ میں چند مثالوں سے یہ امر بالکل واضح ہو گیا ہے کہ قرآن کریم کے لغوی مباحث میں مفسرین کے ہاں حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کے قول کو دیگر اقوال پر ترجیح دی جاتی ہے اور اس سے یہ واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے لغوی مباحث میں حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بیان کردہ معانی و مفاہیم کا دوسرے اقوال و مفاہیم پر راجح ہونا لغوی تفاسیر پر آپ کے تفسیری منہج کے گہرے اثرات کی دلیل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حواشی

1۔ الذہبی، محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون (قاہرۃ: مکتبہ وہبۃ، طبعۃ سابقہ، 2000ء)1:49۔

2۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب وضع الماء عند الخلاء (دار طوق النجاۃ: طبعۃ اولی، 1422ھ) حدیث نمبر143۔

3۔ زرکشی، بدر الدین محمد بن عبد اللہ، البرھان فی علوم القرآن (دار احیاء کتب عربیہ، طبعۃ اولی، 1376ھ، 1957م) 161:2، اور سیوطی، عبد الرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن (الھیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، طبعۃ، 1394ھ، 1974م)318:2۔

4- سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، 323:2۔

5- سورۃ ابراھیم آیت نمبر:04۔

6- ابن کثیر، أبو الفداء إسماعیل بن عمر بن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، (دار فکر، طبعۃ جدیدۃ، 1414ھ، 1994ء)163:6۔

7۔ الذہبی، محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون (قاہرۃ: مکتبہ وہبۃ، طبعۃ سابقہ، 2000ء)398:2۔

8۔ سورۃ انعام آیت نمبر:82۔

9- البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب العلم، حدیث نمبر6937۔

10- سورۃ لقمان، آیت نمبر:13۔

11- ذہبی، دکتور محمد حسین، التفسیر والمفسرون، 141:1۔

12- زرکشی، بدر الدین، البرھان فی علوم القرآن، 292:1۔

13- سورۃ النحل، آیت نمبر:07۔

14- تمیمی، ابو العرب محمد بن احمد بن تمیم، طبقات علماء افریقہ (دار کتاب بنانی، طبعۃ، 2012م) ص:10۔

15- ابن جزری، شمس الدین ابو الخیر، غایۃ النھایۃ فی طبقات القراء (مکتبۃ ابن تیمیۃ، طبعۃ، 1351ھ)373:2۔

16- ابن عاشور، شیخ محمد بن فاضل، التفسیر ورجالہ، (مکتبہ وقفیۃ، طبعۃ، 1390ھ، 1970م) ص:28-29۔

17۔ ان کا پورا نام یحیٰ بن زیاد عبد اللہ بن عبد اللہ بن منظور الدیلمی الفراء تھا۔ امام موصوف کا عرصہ حیات 144 سے 207ھ ہے۔

18- جندی، علی، تاریخ ادب جاہلی (دار التراث الاول، 1991م) ص:95۔

19- رفیدہ، ابرہیم عبد اللہ، النحو وکتب التفسیر، (دار جماہیریۃ، طبعۃ، 1990م)86:1۔

20- الزبیدی، محمد بن حسن بن عبد اللہ، طبقات النحو واللغویین (دار المعارف، طبعۃ، س،ن) ص:143۔

21- سورۃ فصلت آیت نمبر:20۔

22- فراء، ابوزکریا یحیی بن زیاد، معانی القرآن (دار مصریۃ، طبعۃ، س ن)2:425۔

23- سورۃ بقرۃ آیت نمبر:246۔

24- اخفش، أبوالحسن المجاشعي، معاني القرآن (مکتبۃ خانجی، طبعۃ، 1990م)1:23۔

25- ایضا:1:29۔

26- سورۃ بقرۃ آیت نمبر:16۔

27- اخفش، أبوالحسن المجاشعي، معاني القرآن، 1:206۔

28- الزبیدی، محمد بن حسن بن عبداللہ، طبقات النحویین واللغویین: ص:70۔

29- الذہبی، دکتور محمد حسین، التفسیر والمفسرون، 1:49۔

30- حاکم، محمد بن عبداللہ أبو عبداللہ، کتاب الحدود، المستدرک علی الصحیحین (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، طبعۃ اولی، 1990م) حدیث نمبر:8066۔

31- طبري، ابو جعفر محمد بن جریر، جامع البیان في تاویل القرآن بہ معروف تفسیر ابن جریر طبری (مؤسسۃ الرسالۃ، طبعۃ اولی:2000م)18:234۔

32- سورۃ بقرۃ، آیت نمبر:266۔

33- خازن، ابو الحسن علاء الدین علي بن محمد بن إبراھیم بن عمر الشیحي، لباب التأویل في معاني التنزیل، المعروف بہ تفسیر خازن (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، طبعۃ: أولی، 1415ھ)1:2000۔

34- طبری، محمد بن جریر، جامع البیان في تاویل القرآن، 5:545۔

35- سیوطی، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، 2:183۔

36- سورۃ النحل، آیت نمبر:47۔

37- بغدادی، أبو علي إسماعیل بن القاسم القالي، الأمالي في لغۃ العرب (دار الکتب العلمیۃ، س، ن)2:113۔

38 قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، أبو عبداللہ محمد بن أحمد، (لبنان: دار إحیاء التراث العربي، س، ن)10:110۔

39 سیوطی، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، 1:119۔

40 سورہ رعد، آیت 43۔

41- ابوزکریا، یحیی بن زیاد فراء، معانی القرآن (مصر: دار مصریہ، س، ن)6:64۔

42- سورۃ البقرۃ، آیت:29۔

[43]-معانی القرآن، امام فراء، 1:12۔

44- سورہ مائدہ، آیت 06۔

45- ابوالحسن، مجاشعی فراء، معانی القرآن (قاہرہ: مکتبہ خانجی، 1114ھ-1990م) 1:277۔

46- سورہ بقرہ، آیت: 235۔

47- ابوزکریا، یحییٰ بن زیاد فراء، 1:153۔

48سورہ فرقان، آیت، 18۔

49ابوزکریا، یحییٰ بن زیاد فراء، 3:66۔